بین المذاہب رواداری
ہم آہنگی کے بنیادی اُصول

از
ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے قرآنِ مجید کو نازل کیا جیسا کہ فرمایا ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ -- "یہ انسانوں کے لیے راہِ ہدایت ہے" تا کہ انسان کو کامل راہنمائی دی جا سکے۔ اس لیے عصرِ حاضر کے کسی بھی مسئلہ کے بارے میں جب بھی ہمیں کوئی راہنمائی درکار ہو یا بنیادی اُصول و ضوابط وضع کرنے ہوں تو اس کے لیے براہِ راست قرآنِ مجید سے راہِ ہدایت لینا ہی احسن ہو گا۔ اگر ہم کسی اور سمت دیکھیں گے تو شاید گمراہی کی طرف چل پڑیں۔ اسی لیے بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کے لیے جب ہم کلام اللہ سے رجوع کرتے ہیں تو چند بنیادی نکات سے روشناس ہوتے ہیں جس میں بین المذاہب رواداری و ہم آہنگی کے اُصول وضع کیے گئے ہیں۔ زیرِ نظر سطور میں انہی اُصولوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

دستوری بنیادیں

اسلام نے رواداری کو ایک کامل اُصول اور مکمل دستور کے طور پر مضبوط بنیاد کے ساتھ دنیا

کے سامنے پیش کیا ہے اس کی بنیاد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک ایک ہی بیان کی ہے، فرمایا کہ:

۱- ﴿ شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ﴾[1]

ترجمہ:

اللہ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا گیا اور جس کا حکم آپ کو بھی دیا گیا اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی دیا کہ قائم کرو دین کو اور اس میں اختلاف نہ کرو۔

اسی طرح تمام انبیاءؑ کا درجہ نفسِ رسالت بھی مساوی حیثیت کا حامل ہے۔ کسی کو کسی پر کوئی خاص فضیلت حاصل نہیں ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام انبیاءؑ پر ایمان لائیں۔

۲- ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ. ﴾[2]

ترجمہ:

کہو! ایمان لائے ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا اُس پر، جو کچھ نازل کیا گیا ہے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر سب پر ایمان لائے اور اُس پر بھی جو دیا گیا موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور جو دوسرے انبیاءؑ کو ان کے ربّ کی طرف سے۔ ہم (بلحاظ نبوت) نبیوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں

کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

ان دونوں آیات میں اسلام نے رواداری کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کی ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاؑء ایک ہی شریعت سے وابستہ رہے ہیں۔ لہٰذا ان میں اختلاف اور انتشار اور مذاہب کا آپس میں اختلاف کوئی جواز نہیں رکھتا۔ لہٰذا تمام اہلِ مذاہب دوسرے مذاہب اور شرائع کا احترام کریں۔

اس سلسلہ میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۳۶ میں تو مسلمانوں کے لیے یہ بات ایمان کا حصہ بنا دی گئی ہے کہ تمام انبیاء سابقہ پر ایمان لائے بلکہ ان میں کوئی امتیاز بھی نہ کریں اس بات کا عہد کریں کہ تمام انبیاء ہمارے (مسلمانوں) کے لیے برابر ہیں۔ لہٰذا اس عہد کے بعد عدم رواداری کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

ان دستوری بنیادوں پر تمام مذاہب کے پیروکار عمل پیرا ہو کر دنیا میں امن و سلامتی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں جو کہ آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

ان دونوں آیات میں اسلام نے رواداری کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کی ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاؑء ایک ہی شریعت سے وابستہ رہے ہیں۔ لہٰذا ان میں اختلاف اور انتشار اور مذاہب کا آپس میں اختلاف کوئی جواز نہیں رکھتا۔ لہٰذا تمام اہلِ مذاہب دوسرے مذاہب اور شرائع کا احترام کریں۔

اس سلسلہ میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۳۶ میں تو مسلمانوں کے لیے یہ بات ایمان کا حصہ بنا دی گئی ہے کہ تمام انبیاء سابقہ پر ایمان لائے بلکہ ان میں کوئی امتیاز بھی نہ کریں اس بات کا عہد کریں کہ تمام انبیاء ہمارے (مسلمانوں) کے لیے برابر ہیں۔ لہٰذا اس عہد کے بعد عدم رواداری کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا

ان دستوری بنیادوں پر تمام مذاہب کے پیروکار عمل پیرا ہو کر دنیا میں امن

وسلامتی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں جو کہ آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

۳۔ تیسری اہم دستوری بنیاد کو تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے یوں بیان کیا ﴿لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ ۳؎

ترجمہ:

دین اختیار کرنے میں کوئی زبردستی نہیں گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے۔ پس جو جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں اور وہ سب کچھ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔

اسلام نے رواداری کے لیے ایک خوبصورت اُصول یہ بھی دیا کہ دین و مذہب جبر و اکراہ کا معاملہ نہیں بلکہ یہ ذہنی اور دلی لگاؤ کا معاملہ ہیں۔ اس معاملہ میں کسی انسان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ اپنی فکری بنیاد پر جو فیصلہ کرتا ہے دوسرا انسان اس کو روک ٹوک نہیں کر سکتا۔ اس کا دائرہ بڑا وسیع کر دیا گیا ہے کہ انسان جس کو حق سمجھے اس کو اختیار کر لے۔ جبر و اکراہ کے ساتھ اس تعلّق کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ اسلام نے انہی دستوری اُصولوں میں ایک بہت اہم بات یہ کی ہے کہ دینی اور مذہبی اختلافات کو نیکی، صلہ رحمی اور ضیافت میں حائل نہیں ہونا چاہیے جس کے لیے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ﴿اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ---﴾ ۴؎

ترجمہ:

آج تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور اہلِ کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور تمھارے لیے محفوظ عورتیں بھی حلال ہیں خواہ وہ اہلِ ایمان کے گروہ سے ہوں یا اُن قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔

ایک اور اہم بنیاد جس پر بین المذاہب رواداری کی بنیاد ہے وہ یہ کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا جس کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ ۵

ترجمہ:

اے نبیؐ کہو! اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا ربّ نہ بنائے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ تمام اہلِ کتاب کو دعوت ہے کہ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اگر توحید کو اپناتے ہیں تو اسلام کا ان کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ آیت ان کو دعوت دے رہی ہے کہ اتحاد و یکجہتی اختیار کرنے کی سعی کریں جس سے مذہبی رواداری کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

مذہبی طور پر ان کو مکمل آزادی ہے جس کا حکم قرآن مجید میں اس طرح آیا کہ ﴿ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ۶

ترجمہ:

اور تم ان کے معبودوں کو جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں بُرا نہ کہو کہ وہ سرکشی سے بے سمجھے اللہ کو بُرا کہیں گے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام مذاہب کے افراد کے ساتھ مذہبی رواداری کے دائرہ کار کو وسعت دی ہے کہ کسی مذہب کے پیروکاروں کو ان کے عقائد کے بارے میں ملامت نہ کیا جائے کیوں کہ وہ تمھارے عقائد توحید و رسالت کے بارے میں بھی وہی رویہ اختیار کریں گے جس سے مذہبی نفرت میں اضافہ ہونے کا امکان ہے۔

ان بنیادوں پر اسلام ایک ایسے خوبصورت معاشرے کے قیام کے لیے جو تعلیمات دیتا ہے اس میں تمام مخلوق اللہ کا کنبہ، حُسن وسلوک، شفقت و محبت اور رواداری کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جس کی عملی مثالیں پہلی اسلامی ریاست مدینہ کے بانی پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قائم کیں جو قابلِ غور ہیں۔

I-اہل مکہ اور اہل کتاب کے ساتھ رواداری کا سلوک

ایک بار رسول اکرم ﷺ حرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل کے اُکسانے پر بدبخت عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور گندگی بھری اوجھڑی لا کر سجدے کی حالت میں آپ ﷺ کے اوپر رکھ دی۔ کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا دوڑتی ہوئی آئیں اور اس گندگی کو آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ہٹا دیا۔ ۷

اہلِ مکّہ سے نا اُمید ہو کر آپ نے دعوتِ اسلام کی غرض سے طائف کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے سرداروں نے دعوت قبول کرنے کی بجائے بُرا بھلا کہا اور لڑکوں کو پیچھے لگا دیا جنھوں نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو لہولہان کر دیا۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق اس وقت مختلف فرشتے آئے اور آپ ﷺ سے اہلِ طائف کی تباہی کی اجازت چاہی مگر آپ نے فرمایا نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے مسلمان پیدا فرمائے گا۔ ۸

ابوسفیان کی بیوی ہندہ اسلام لانے سے قبل سخت ترین دشمن اسلام تھی۔ اس نے رسول اکرم ﷺ کے چہیتے چچا حضرت حمزہؓ کو غزوہ اُحد میں شہید کروا کر ناک کان کٹوائے۔ سینہ چاک کرایا اور دل و جگر نکلوا کر کچا چبایا۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کے بلند اخلاق اور بے مثال عفو و درگزر

سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اس کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔۹

حضرت حمزہؓ کو شہید کر کے ان کا سینہ چاک کرنے والا وحشی بن حرب تھا۔ جو ہندہ کا غلام تھا۔ (وحشی بن حرب کے لفظی معنیٰ ہیں جنگلی، لڑائی کی پیداوار) فتح مکہ کے بعد یہ طائف بھاگ گیا کیوں کہ اہل طائف ابھی اسلام نہیں لائے تھے مگر جب اہل طائف نے بھی اسلام قبول کر لیا تو وحشی کے لیے جائے پناہ نہیں رہی اور جب مجبوراً دربارِ رسالت میں اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اس کا اسلام قبول فرما کر سب کچھ معاف فرمایا۔۱۰

عکرمہ بن ابی جہل اسلام لانے سے قبل باپ کی طرح سخت ترین دشمن اسلام تھا۔ فتح مکہ کے دن خوف کے مارے یمن بھاگ گیا۔ ان کی بیوی نے جو مسلمان ہو چکی تھی، حضور ﷺ سے عکرمہ کے لیے امان طلب کی اور عکرمہ جب دربارِ نبوت میں پہنچے تو حضور ﷺ فرطِ خوشی سے اس کی طرف ایسے دوڑے کہ چادر مبارک جسمِ اطہر سے کھسک کر نیچے گر پڑی۔۱۱

صفوان بن اُمیہ قریش کے سرداروں میں سے تھا اور کٹر دشمنِ اسلام تھا۔ اس نے عمیر بن وھب کو بھاری رقم کی لالچ دے کر آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادہ سے مدینہ بھیجا تھا۔ رسول اکرمؐ کو وحی کے ذریعہ اس کے ارادے کی اطلاع ہوگئی تھی جب وہ خدمتِ اقدس میں پہنچا تو آپ ﷺ نے اس کے اقدام سے پہلے ہی اس کے ارادے کی اطلاع اسے کر دی اور فرمایا کہ تمھارے اور صفوان کے درمیان خانہ کعبہ کے پاس فلاں فلاں بات ہوئی تھی۔ یہ سن کر عمیر فوراً اسلام لے آیا۔ تاہم صفوان فتح مکہ کے دن بھاگا اور جدہ پہنچا جہاں سے یمن جانا چاہتا تھا۔ عمیر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور صفوان کے لیے امان کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے اپنا عمامہ مبارک بطورِ امان کی نشانی عطا فرمایا۔ صفوان عمیر کے ہمراہ دربارِ رسالتؐ میں پہنچا اور چار ماہ کی مہلت طلبی کی بعد میں اسلام قبول کیا۔۱۲

مسلمانوں کی خاطر ایک بار آپ ﷺ نے ایک یہودی زید بن سعنہ سے قرضہ لیا۔ مقررہ وقت ادائیگی سے قبل ہی وہ یہودی آیا اور آپ ﷺ سے نامناسب اور گستاخانہ انداز سے پیش آیا۔ حضرت عمرؓ سے برداشت نہ ہوسکا اور اس کی گردن اُڑانے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ ﷺ

نے فرمایا اے عمرؓ! تمھیں چاہیے کہ مجھے حُسنِ ادائیگی کی تلقین کرتے اور اسے حُسنِ طلب کی۔ پھر آپ ﷺ نے نہ صرف اس کا قرض واپسی کا حکم فرمایا بلکہ حُسنِ سلوک کے طور پر بیس صاع زیادہ کھجوریں دینے کا حکم فرمایا۔ اس حُسنِ سلوک سے وہ یہودی متاثر ہوکر مسلمان ہوگیا۔ ۱۳

عبداللہ بن اُبی بن سلول رئیس المنافقین، دل سے اسلام کا دشمن و بدخواہ تھا۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر بہانہ بنا کر اس نے مسلمانوں کی جمعیت (جو ایک ہزار پر مشتمل تھی) سے اپنے تین سو افراد جدا کر کے واپسی اختیار کی۔ یہ مشرکین و یہود کے ساتھ خفیہ ساز باز رکھتا اور مسلمانوں کے راز ان کو منتقل کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کی آپس میں لڑائی ہوگئی دونوں نے اپنی اپنی قوم کو پکارا۔ آنحضرت ﷺ نے موقع پر پہنچ کر معاملہ رفع دفع کیا مگر عبداللہ بن اُبی نے کہا کہ مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں یعنی مہاجرین کو نکال دوں گا اور کہا کہ پیغمبر کے ساتھیوں سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کی تفصیل سورۂ منافقون میں آئی ہے۔ واقعہ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر بہتان لگانے میں بھی اس کا بنیادی کردار تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ہمیشہ اس سے درگزر کا معاملہ فرمایا اور جب مرا تو آپ نے صحابہ کی ناپسندیدگی کے باوجود اپنا کرتہ عنایت فرمایا جس میں اُسے دفن کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کے لیے استغفار کیا۔ ۱۴

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی۔ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین بیوی، اور ابوبکرؓ جیسے یارِ غار اور افضل ترین صحابی کی صاحبزادی تھیں۔ شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنھوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلایا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا۔ دشمنوں سے شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی بے عزتی، یہ باتیں انسان کے صبر و تحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں تاہم رحمتِ عالم نے ان تمام کے ساتھ کیا کیا؟ واقعے کی تکذیب خود خدا نے قرآن پاک میں کردی اور اس سے قبل آپ ﷺ نے کسی طرح کوئی انتقام نہیں لیا۔ ۱۵

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی۔ حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھی۔ کفار نے

مزاحمت کی۔ ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کران کواونٹ سے گرادیا جس سے ان کوسخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا۔ فتح مکہ کے بعد مجبوراً آستانۂ رحمت پر جھک آیا اور اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف کیا۔ پھر کیا تھا بابِ رحمت سامنے کھلا تھا اور دوست دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔ ۱۶

تاریخ انسانی میں فتح مکہ انسانی رواداری، صبر وتحمل، برداشت اور وسیع القلبی کی وہ لازوال اور عدیم النظیر روشن مثال ہے جس کا عشر عشیر بھی تاریخ عالم کے معلمین اخلاق کی عملی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ اس دن مکہ کے تمام ظالم و جابر کفار و مشرکین سامنے بے بس اور گردن جھکائے کھڑے تھے۔ وہ سب تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کو اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ آج ربِ کائنات نے ان تمام کو پیغمبر رحمت ﷺ کے قبضے میں دے دیا تھا۔ چاہتے تو چشمِ زدن میں سب کی گردنیں کٹوا کر سابقہ ظلموں کا بدلہ لے لیتے۔ اس حالت میں پیغمبر رحمت ﷺ کی آواز اٹھی ''تمھیں معلوم ہے تمھارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟'' سب نے جواب میں کہا ''آپ کریم بھائی کے کریم بیٹے ہیں اور ہم آپ کی طرف سے رحم و احسان کے امیدوار ہیں''۔ پھر کیا تھا دریائے رحمت اُمنڈ آیا اور اہل مکہ کی ظلموں بھری تاریخ کو بہا کر لے گیا۔ فرمایا ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ. ۱۷

ترجمہ:

آج تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ہجرت سے قبل یثرب (مدینہ) میں اوس وخزرج کے دو دشمن قبیلوں کے علاوہ یہود کے مختلف قبائل اور دیگر مشرکین آباد تھے گویا مدینہ مختلف عقائد، قبائل اور نسلوں کی آماجگاہ تھا۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے ان تمام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور اس اتحاد و اتفاق کو قائم رکھنے کے لیے دنیا کا پہلا تحریری دستور وجود میں آیا۔ جس پر تمام کا اتفاق ہوا اور اس کی رو سے آپ ﷺ کو مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کا سربراہ تسلیم کیا گیا۔ یوں مدینہ میں ایک مختلف الخیال عناصر پر مشتمل ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں میثاقِ مدینہ کی وجہ سے یہود، انصار، مہاجرین اور دوسرے قبائل ایک تنظیمی اتحاد

میں شامل ہو گئے اور سب ایک دوسرے کے وجود کا اعتراف کرنے لگے۔ [18]

رسول اکرم ﷺ غیر مسلموں کو مسجد میں ٹھہراتے۔ ان کو ان کے طریقے پر مسجد میں عبادت کرنیکی اجازت دیتے۔ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ آیا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ اس لیے انھوں نے مسجد ہی میں نماز شروع کر دی۔ بعض مسلمانوں نے روکنا چاہا مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا نماز پڑھ لینے دو۔ چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبویؐ کے اندر نماز پڑھی۔ [19]

ایک بار ایک یہودی کا جنازہ گزر رہا تھا۔ جنازہ آپ ﷺ کے سامنے آیا تو آپ احترامِ آدمیت کی خاطر کھڑے ہو گئے۔ [20]

اسلام نے اپنی وسعتِ نظری کے تحت مذہبی رواداری کا دائرۂ کار بہت وسیع رکھا ہے۔ آنحضور ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مدینہ میں آباد تمام اہلِ کتاب جن میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور عیسائی جو مدینہ اور اس کے اردگرد آباد تھے، آپ ﷺ نے ان اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اور اسلامی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ طے کیا جس کی رو سے اسلامی حکومت کے لیے یہ ضروری قرار پایا کہ اہلِ کتاب کے عقائد کا احترام کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی ایذا سے بچایا جائے گا۔ اس معاہدہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے اہلِ کتاب کے ساتھ مذہبی رواداری کے اُصولوں کی بنیاد رکھی۔ اسلام نے مشرک، بُت پرستوں کے ساتھ بھی رواداری کا درس دیا ہے کہ ان کے ساتھ بھی کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد تمام یہودی قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات اُستوار کیے اور دیگر قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے جن کی چند اہم دفعات درج ذیل تھیں:

۱- اس معاہدے میں شرکت کرنے والے ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۲- ہر فرقہ اپنے مذہبی شعائر کسی روک ٹوک کے بغیر ادا کر سکے گا۔

۳- ہر فرقہ کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا جائے گا۔

۴- ایک دوسرے سے دھوکہ، ظلم اور غداری نہیں کریں گے۔[۲۱]

مذکورہ بالا دفعات ایک خوبصورت اور اعلیٰ معاشرے کی وہ اہم بنیادیں ہیں جن کی ہر دور میں ضرورت، اہمیت اور افادیت موجود رہتی ہے اور شاید عصر حاضر میں جب کہ لوگ مذہبی تعصّبات اور مسلکی تفرقوں سے عاجز آ چکے ہیں اور نت نئے کمیشن ان مسائل کے حل کے لیے دنیا میں قائم ہو رہے ہیں اور زریں اصول آج بھی اتنے ہی موثر اور معتبر ہیں جتنے کہ چودہ سو سال قبل۔ پیغمبر ﷺ نے امن و رواداری کے سلسلے میں جو اعلیٰ نمونے چھوڑے ہیں وہ قیامت تک دنیا کو دعوتِ فکر دیتے رہیں گے۔

ریاست مدینہ میں ایک شادی شدہ یہودی نے ایک شادی شدہ یہودن سے زنا کیا۔ جرم کے متعلق فیصلہ کے لیے یہودی علماء کا اجلاس ہوا جس میں انھوں نے طے کیا کہ یہ معاملہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا جائے تا کہ آپ ﷺ اس کا فیصلہ فرمائیں۔ ملزمان کو آپ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ نبی مکرم ﷺ مسجد نبوی سے اٹھے اہل یہود اور ان ملزمان سمیت از خود ان کی درسگاہ جہاں تورات کا درس ہوا کرتا تھا تشریف لے گئے اور تورات کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔ [۲۲]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ یہ تاریخ ساز میثاق دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصہ میں ۲۳ اور دوسرے میں ۲۴ دفعات شامل ہیں۔ پہلا حصہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نشان دہی کرتا ہے جب کہ دوسرا حصہ اہل اسلام اور دیگر اہل مدینہ کے باہمی تعلقات، حقوق و فرائض اور دیگر امور کی وضاحت کرتا ہے۔ اس میثاق کی دفعات میں سے ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں ''مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے''۔ یعنی مدینہ میں جتنے بھی لوگ بستے تھے ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اختیار دیا گیا تھا۔ تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کر لیجیے۔ اس سے بڑھ کر مفاہمت بین المذاہب کا وسیع عملی مظاہرہ دیکھنا کہاں نصیب ہوگا؟ [۲۳]

عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل میثاقِ مدینہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ، انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کو تحفظ ملا اور شہر امن کا گہوارہ بنا۔[۲۴]

یہود کو آنحضرت ﷺ سے حد درجہ عداوت تھی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ ان کے ساتھ داد و ستد کرتے تھے، ان کے سخت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے۔ یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر کسی معاملے میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جانبداری نہ فرماتے، اس کی متعدد مثالیں ہیں، ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ ایک مسلمان نے مجھے تھپڑ مارا ہے، آپ ﷺ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔[۲۵]

۹ رہجری کو فتح مکہ کے بعد نجران کے عیسائیوں کا وفد جو کہ ان کے ساتھ جید افراد پر مشتمل تھا شان و شوکت کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ عصر کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ اس وفد نے مسجد نبویؐ میں داخل ہو کر مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نماز ادا کرنی شروع کر دی۔ بعض صحابہ ان کے اس عمل پر برہم ہو کر ان کو روکنے کے لیے دوڑے لیکن نبی محتشم ﷺ نے صحابہ کو روک دیا۔ چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبوی میں مکمل سکون کے ساتھ اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز ادا کی اور ازاں بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا۔[۲۶]

ایک اور مثال حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حبشہ سے نجاشی کی طرف سے ایک وفد بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ بہ نفسِ نفیس ان کی خاطر مدارت اور تواضع میں مصروف ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے غلام ان کی خاطر مدارت کے لیے حاضر ہیں۔ آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّھُم کَانُوا لَا صُحَابِنَا مُکْرَمِینَ وَاَنِّی اُحِبُّ اَنْ اُکَافِئَھُمْ''. [۲۷]

ترجمہ:

''میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میں ان کی خود خاطر مدارت کر کے ان کو صلہ دوں۔''

حالتِ جنگ میں رواداری کا حکم

تاریخ انسانیت میں یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ کوئی مذہب یا نظریہ تلوار کے بغیر نہیں پھیلا۔ گویا تلوار اور جنگ غلبۂ دین اور افکار و نظریات کی ترویج کے لیے ایک ضروری چیز رہی ہے مگر اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے جنگ کے اُصول مقرر کیے۔ ورنہ اسلام سے قبل دیگر مذاہب والے مفتوحہ اقوام پر جو ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے تھے اس کی کچھ مثالیں اس مضمون میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے دورِ جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے جو آج بھی احترامِ آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل، عبادت گاہوں اور فصلوں کی تباہی و بربادی اور دشمنوں کے ہاتھ، ناک، کان وغیرہ کاٹنے پر پابندی لگادی گئی۔ ۲۸۔ رسول اکرم ﷺ کی وسعت ظرفی اور دوسروں کو برداشت کرنے کی اعلیٰ ترین مثال یہود کے مقدس مقام کوہِ سینا (مصر) کے ساتھ عیسائیوں کا کلیسا ''سینٹ کیتھرائن'' کی حفاظت اور عیسائیوں کے حقوق کے بارے میں ایک نامۂ مبارک تحریر فرمانا ہے۔ حُسنِ اتفاق سے آج تک یہ کلیسا موجود ہے اور اس کے ساتھ ہی تاریخ میں آپ ﷺ کا نامۂ مبارک بھی اصل حالت میں موجود ہے۔ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

> ۶۲۷ء میں پیغمبر اسلام ﷺ نے سینٹ کیتھرائن متصل کوہِ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو پوری آزادی اور وسیع حقوق عطا کیے اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ:
>
> ۱۔ عیسائیوں کے گرجاؤں، راہبوں کے مکانوں اور نیز زیارت گاہوں کو ان کے

دشمن سے بچائیں۔

۲- تمام مضر اور تکلیف رساں چیزوں سے پورے طور پر ان کی حفاظت کریں۔

۳- ان پر بے جا ٹیکس نہ لگایا جائے۔

۴- کسی کو اپنی حدود سے خارج نہ کیا جائے۔

۵- کوئی عیسائی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

۶- کسی راہب کو اپنی خانقاہ سے نہ نکالا جائے۔

۷- کسی زائر کو زیارت سے نہ روکا جائے۔

۸- مسلمانوں کے مکان اور مسجد بنانے کی غرض سے عیسائیوں کے گرجے مسمار نہ کیے جائیں۔[۲۹]

اسلام نے تلوار کی زد کو میدانِ جنگ میں محض برسرِ پیکار افراد تک محدود رکھا اور دوسرے لوگوں سے تعرض نہ کرنے کی تاکید کی ہے، اسلام نے محاربین (Belligerents) کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اہلِ قتال (Combatants) اور دوسرے غیر اہل قتال (Non-Combatants) اہلِ قتال وہ ہیں جو عملاً جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا عقلاً و عرفاً حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ یعنی جوان مرد اور غیر اہل قتال وہ ہیں جو عقلاً و عرفاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً نہیں لیا کرتے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، مقطوع الاعضا، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین، زاہد، معبدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ۔ اسلام نے (دورانِ جنگ) طبقۂ اوّل کے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور طبقۂ دوم کے لوگوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فوجیں شام کی طرف روانہ کیں تو ان کو دس ہدایات دیں۔ وہ ہدایات اسلامی تعلیماتِ جنگ کا خلاصہ ہیں۔ وہ ہدایات یہ ہیں:

۱- عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں

۲- مُثلہ (اعضا کا کاٹنا) نہ کیا جائے

۳- راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کی عبادت گاہیں مسمار کی جائیں۔

۴- کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ فصلیں جلائی جائیں۔

۵- آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

۶- جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

۷- بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔

۸- جو لوگ اطاعت کریں ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا کیا جاتا ہے

۹- اموالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے، ۱۰- جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔[۳۰]

انسانی ہمدردی اور اس کے تقاضوں کا یہ عالم کہ حالت جنگ میں سپاہیوں کو حکم ہے کہ فَقَدْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُوصِي بِاَنْ لَايَقُوْمَ الْجَيْشُ بِاِتْلَافِ زَرْعٍ اَوْقَطْعِ شَجَرٍ اَوْقَتْلِ الضِّعَافِ مِنَ الذُّرِّيَّةِ وَالنِّسَاءِ وَالرِّجَالِ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ رَأْيٌ فِي الْحَرْبِ وَلَمْ يَشْتَرِكُوْا فِيْهِ بِأَيِّ نَوْعٍ[۳۱]

ترجمہ:

''نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو وصیت فرمایا کرتے کہ وہ سرسبز کھیتوں کو برباد نہ کریں۔ درختوں کو نہ کاٹیں، کمزور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کریں جو جنگ کے سلسلے میں کوئی رائے نہیں دیتے اور کسی طرح جنگ میں شرکت نہیں کرتے۔''

اب دیکھتے ہیں غیر مسلم رعایا کے بارے میں حضور ﷺ کے کیا فرامین ہیں:

اسلامی ریاست میں مسلم شہری اور غیر مسلم شہری یعنی ذمی، فوجداری اور دیوانی قوانین

میں برابر ہیں یعنی مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو اس کا پورا قصاص لیا جائے گا۔

ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو قاتل کو نبی مکرم ﷺ کے دور میں قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اَنَا اَحَقُّ مَنْ وَفّٰی بِذِمَّتِہٖ" ۳۲

ترجمہ:

"کہ میں سب سے زیادہ اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن ارقمؓ کو جو جزیہ کی وصولی کے لیے مقرر ہوئے رخصت کرتے وقت حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فَقَالَ اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوْ كَلَّفَهٗ فَوْقَ طَاقَتِهٖ اَوِ انْتَقَصَهٗ اَوْا خَذَمِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسِهٖ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۳۳

ترجمہ:

"اے عبداللہ کان کھول کر میری بات سن جس نے بھی کسی معاہدہ یعنی اہل ذمہ پر ظلم کیا یا اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اسے نقصان پہنچایا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے روز میں اس کا گریبان پکڑوں گا۔"

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اس سے بھی زیادہ جامع اور زوردار ہے۔ حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں: "كَانَ أخرَمَا تَكَلَّمَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ اَنْ قَالَ أَحْفِظُوْنِيْ فِيْ ذِمَّتِيْ" ۳۴۔

ترجمہ:

"نبی اکرم ﷺ نے اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے آخری بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ میں نے جن لوگوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے اس کی لاج رکھنا،

اس پر آنچ نہ آنے دینا۔“

اسلامی ریاست کا دوسرا دور خلافتِ راشدہ سے شروع ہوتا ہے اس دور میں غیر مسلم شہریوں کے ساتھ رواداری اور حقوق وفرائض کی جو تعلیم اور قوانین رائج کئے گئے وہ آج کے ترقی یافتہ معاشروں کے لیے راہنما اُصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی مثال حضرت عمر فاروقؓ کے بیت المقدس آمد کے موقع پر خلیفہ وقت اور وہاں کے مقامی باشندوں کے درمیان جو معاملات طے پائے اس کی چند شرائط درج ذیل تھیں:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. هٰذَا مَا أَعْطَى عَبْدُاللهِ عُمَرُ أَمِيْرُالْمُؤْمِنِيْنَ أَهْلَ إِيْلِيَاءِ مِنَ الْأَمَانِ أَعْطَاهُمْ أَمَانًا لِأَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَلِكَنَائِسِهِمْ وَصُلْبَانِهِمْ وَسَقِيْمِهِمْ وَبرِيْئِهِمْ وَسَائِرِمِلَّتِهِمْ إِنَّهُ لَاتُسْكَنُ كَنَائِسُهُمْ وَلَاتُهْدَمُ وَلَايُنْتَقَصُ مِنْهَا وَلَامِنْ حَيِّزِهَا وَلَامِنْ صَلِيْبِهِمْ وَلَامِنْ شَيْءٍ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلَايُكْرَهُوْنَ عَلٰى دِيْنِهِمْ وَلَايُضَارَّ أَحَدٌ مِنْهُم ۳۵

ترجمہ:

’بسم اللہ الرحمن الرحیم. یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین نے ایلیاء والوں کو عطا کی۔ یہ امان ان کی جان و مال اور ان کے کنیسوں اور صلیبوں کے لیے ہے۔ ان کی ساری ملت، چاہے وہ بیمار ہوں یا تندست سب شامل ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو گرایا جائے گا۔ ان کے کنیسوں، ان کے ملحقات، ان کی صلیبوں اور ان کی جائیدادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔ دین کے بارے میں ان پر جبر واکراہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان میں کسی کو آزار پہنچایا جائے گا۔

اسلام میں رواداری کی ان جامع تعلیمات کے عملی پہلوؤں کا اعتراف چند مستشرقین

نے کھلے دل سے کیا ہے۔فرانسیسی مستشرق موسیوسیڈلیٹ (M.Sedillet) لکھتا ہے۔

''جولوگ اسلام کو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے ضمیر کے تاریک ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ وہ ان صریح علامات کونہیں دیکھتے جن کے اثر سے عربوں کی وہ تمام بُری خصلتیں مٹ گئیں جو مدت دراز سے سارے ملک میں رائج تھیں۔انتقام لینا، خاندانی عداوت کو جاری رکھنا، کینہ پروری اور جور وظلم، دخترکشی وغیرہ جیسی مذموم رسومات کوقرآن نے مٹا دیا۔ان میں سے اکثر چیزیں پہلے بھی یورپ میں تھیں اور اب بھی ہیں۔''[۳۶]

پروفیسرٹی ڈبلیوآرنلڈ اعتراف کرتا ہے:

''اگر اسلام جلوہ گر نہ ہوتا تو دنیا شاید زمانۂ دراز تک انسانیت، تہذیب اور شائستگی سے روشناس نہ ہوتی۔ یہ امر واقع ہے کہ آج دنیا میں مساوات، امدادِ باہمی، علمی جدوجہد اور نوع انسانی کے ساتھ ہمدردی کی جو تحریکیں جاری ہیں وہ سب کی سب اسلام ہی سے مستعار لی گئی ہیں۔اسلام نے جلوہ گر ہوکر حکومتی نظاموں کا ڈھانچہ بدل دیا۔دنیا کے اقتصادی نظام میں انقلاب برپا کر دیا، اسلام نے ایک ایسا مکمل نظامِ حیات پیش کیا جو مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے ایک رحمت ثابت ہوا، یہ ایسی خوبیاں ہیں جن کے سامنے نہ صرف میری بلکہ ہر انصاف پسند انسان کی گردن جھک جانی چاہیے۔''[۳۷]

دشمنانِ اسلام، اسلام کے بارے میں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلا تلوار کے زور سے پھیلا ہے حالاں کہ اسلام بلند اخلاق وکردار اور دل کو موہ لینے والی انسانی اقدار کے ذریعے پھیلا ہے۔ تاریخ میں کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ اسلام کو کسی پر زبردستی ٹھونسا گیا ہو۔اس کے بالمقابل عیسائیت کے بزورِ بازو پھیلانے کے شواہد موجود ہیں۔عیسائی بادشاہ تھیوڈوسیوس نے غیر مسیحی عبادت کو موجب

سزائے موت قرار دیا تھا، اس نے مندروں کو توڑنے، ان کی جائیداد ضبط کرنے اور عبادت کے سامانوں کو مٹانے کا حکم دیا تھا۔ مصر کے آرچ بشپ تھیوفیلوس نے خاندان بطالسہ کا عظیم الشان کتب خانہ نذرِ آتش کر دیا تھا۔ ان مظالم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بُت پرست رعایا نے تلوار کے خوف سے اس مذہب کو قبول کر لیا جس کو وہ دل سے پسند نہیں کرتی تھی۔ بددل اور بے اعتقاد پیروؤں سے مسیحی کلیسا بھر گئے۔ ۳۸ برس کے اندر روم کی عظیم الشان سلطنت سے وثنیت (بُت پرستی) کا نام ونشان مٹ گیا اور یورپ، افریقہ اور شرق اُردن میں تلوار کے زور سے مسیحیت پھیل گئی۔ ۳۸

ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے The Preaching of Islam میں کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق و کردار کے زور سے پھیلا ہے۔ نیز مسلمانوں نے غیر مذہب والوں کو ہر جگہ مذہبی آزادی دی ہے۔ انھوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ کس کس جگہ عیسائی اقلیت میں اور مسلمانوں کے زیردست تھے۔ جنھیں بڑی آسانی سے بزورِ بازو مسلمان بنایا جا سکتا تھا مگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر کسی جگہ بادشاہوں نے اس کا ارادہ بھی کیا تو مسلمان مفتیوں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا ہے۔ ۳۹

وہ ایک دوسری جگہ اعتراف کرتا ہے:

> ''کوئی مذہب اسلام کی طرح روادار اور صلح کل نہیں ملے گا جس نے دوسروں کو اس طرح مذہبی آزادی دی ہو، رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔'' ۴۰

عام نوعِ انسانی کے ساتھ تعلقات کے معاملے میں اُصولی اندازِ فکر کا قرآن وسنّت کے اندر محبت، حُسنِ سلوک، حلم وشرافت اور محافظت کے الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے، خود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دوستانہ رویہ رکھنے والے نجران کے عیسائی قبائل کے ساتھ جزیئے کا معاہدہ اور مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ امن وتعاون کا معاہدہ طے کیا۔ دوسری

طرف آپ ﷺ نے انہی یہودیوں کے بعض قبائل کے خلاف جنگ لڑی جو مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ یہ معر کے حالات کی مجبوریوں اور تدبیری ضروریات کے تحت ہوئے تھے۔[41]

اسلام کی رواداری کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اپنے اسلام پر دل سے قائم و دائم رہے۔'' اسے آپ ﷺ کی قیادت کا اعجاز نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ سوائے خیبر (یہود) کے جس شہر اور جس قبیلے کو آپ ﷺ نے فتح کیا وہ جان نثار اور معتقد بن گئے۔ یہ یقیناً اس لئے تھا کہ اسلام کی جنگیں ان کے قتل و غارت کے لیے نہیں بلکہ ہدایت وفلاح کے لیے ہوتی تھیں اور آپ ﷺ ہر فاتح کی طرح حریف کے درپے آزار ہونے کے بجائے ان کے ہمدرد ہوتے تھے۔[42]

مندرجہ بالا دلائل و براہین کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اسلام میں مذہبی رواداری کے بارے میں یہ وہ دستوری بنیادیں ہیں جن پر اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ اصول ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء ورُسل پر ایمان لائے اور ان تمام کا تذکرہ عظمت واحترام سے کرے۔ ان میں سے کسی نبی کے پیروکاروں پر کوئی زیادتی نہ کرے۔ ان کے ساتھ معاملات اور تعلقات اچھے رکھے، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ نرمی سے گفتگو اور مکالمہ کرے، ان کا ایک اچھا پڑوسی ثابت ہو اور ان کی ضیافت قبول کرے، اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی کرسکتا ہے تاکہ خاندانوں کے درمیان تعلقات پیدا ہوں اور خونی رشتے قائم ہوں —— پھر اسلام نے اسلامی حکومت پر یہ بھی فرض کیا ہے کہ وہ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرے، اِن کے عقائد میں مداخلت نہ کرے، کسی مقدمہ کے فیصلے میں ان کے ساتھ ناانصافی نہ کرے۔ انسانی حقوق اور فرائض کے باب میں ان کو عام مسلمانوں کے مساوی درجہ دے، ان کی زندگی، ان کی آبرو اور مال، ان کے مستقبل کی حفاظت کی اس طرح ضمانت دے جس طرح وہ ایک مسلمان کی زندگی، اس کی آبرو اور مال، اس کے مستقبل کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے۔

یہ ہیں وہ بنیادیں جن پر اسلامی ریاست اور معاشرہ مذہبی رواداری کا خوبصورت ماحول تشکیل دیتا ہے جس میں غیر مسلموں کو ان کے ادیان کی بنیاد پر معاشرہ اور سوسائٹی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں کسی مذہبی تعصب کی گنجائش نہیں ہوتی۔ غیر مسلم اپنے مقام و مرتبہ کے

لحاظ سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرتِ مدینہ کے بعد جو اسلامی معاشرہ تشکیل دیا اس میں آپ کا یہ ہی طرزِ عمل تھا اور خلفائے راشدینؓ اور بعد کی اسلامی حکومتوں نے انہی اُصولوں کے تحت رواداری کا طرزِ عمل جاری رکھا جس کے تحت غیر مسلموں کو اعلیٰ حکومتی مناصب پر فائز کیا۔ان کے تہواروں میں جوش وخروش سے شرکت کی اور تحائف دیئے عبادت گاہوں کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ ان کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کیں۔ دو مختلف مذاہب کے پیروکار اکٹھے ایک دوسرے کے پہلو میں اپنی اپنی عبادت میں مصروف تھے۔مسلمان قبلہ رُخ کیے ہوتے اور عیسائی مشرق کی جانب۔ یہ ایک نادر مظاہرہ تھا جو تاریخ میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلامی ریاست مذہبی تعصّبات سے کس قدر پاک رہی اور کس طرح اس میں مذہبی رواداری اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی لیکن جب سے مسلمانوں پر زوال آیا انھوں نے اپنے اُصولوں کو ترک کر دیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو بھول گئے اور دین سے دوری کے باعث مذہبی رواداری کے خوبصورت عمل سے بھی غافل ہو گئے ہیں۔

خلاصہ:

اسلام نے اپنی وسعتِ نظری کے تحت مذہبی رواداری کا دائرۂ کار بہت وسیع رکھا ہے۔ آنحضور ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مدینہ میں آباد تمام اہلِ کتاب جن میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور عیسائی جو مدینہ اور اس کے اردگرد آباد تھے، آپ ﷺ نے ان اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اور اسلامی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ طے کیا جس کی رو سے اسلامی حکومت کے لیے یہ ضروری قرار پایا کہ اہلِ کتاب کے عقائد کا احترام کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی ایذا سے بچایا جائے گا۔اس معاہدہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے اہلِ کتاب کے ساتھ مذہبی رواداری کے اُصولوں کی بنیاد رکھی۔اسلام نے مشرک، بُت پرستوں کے ساتھ بھی رواداری کا درس دیا ہے کہ ان کے ساتھ بھی کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔ مذہبی طور پر ان کو مکمل آزادی ہے۔

اسلام نے رواداری کو ایک کامل اُصول اور مکمل دستور کے طور پر مضبوط بنیاد کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس کی بنیاد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک ایک ہی بیان کی ہے۔

اسلامی ریاست اور معاشرہ مذہبی رواداری کا جو خوبصورت ماحول تشکیل دیتا ہے جس میں غیر مسلموں کو ان کے ادیان کی بنیاد پر معاشرہ اور سوسائٹی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں کسی مذہبی تعصب کی گنجائش نہیں ہوتی۔ غیر مسلم اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد جو اسلامی معاشرہ تشکیل دیا اس میں آپ کا یہ ہی طرزِ عمل تھا اور خلفائے راشدینؓ اور بعد کی اسلامی حکومتوں نے انہی اُصولوں کے تحت رواداری کا طرزِ عمل جاری رکھا جس کے تحت غیر مسلموں کو اعلیٰ حکومتی مناصب پر فائز کیا۔ ان کے تہواروں میں جوش و خروش سے شرکت کی اور تحائف دیئے عبادت گاہوں کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ ان کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کیں۔ دو مختلف مذاہب کے پیروکار اکٹھے ایک دوسرے کے پہلو میں اپنی اپنی عبادت میں مصروف تھے۔ مسلمان قبلہ رُخ کیے ہوتے اور عیسائی مشرق کی جانب۔ یہ ایک نادر مظاہرہ تھا جو تاریخ میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلامی ریاست مذہبی تعصّبات سے کس قدر پاک رہی اور کس طرح اس میں مذہبی رواداری اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی لیکن جب سے مسلمانوں پر زوال آیا انھوں نے اپنے اُصولوں کو ترک کر دیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکامات کو بھول گئے اور دین سے دوری کے باعث مذہبی رواداری کے خوبصورت عمل سے بھی غافل ہو گئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳

۲۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۳۶

۳۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶

۴۔ سورۃ المائدہ آیت ۵

۵۔ سورۃ آلِ عمران آیت ۶۴

۶۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۰۸

۷۔ ابن حجر: فتح الباری، ج۱،ص۳۰۲

۸۔ بخاری: الجامع الصحیح ،طبع کراچی، ج۱،ص۴۵۸

۹۔ مبارکپوری، صفی الرحمٰن: الرحیق المختوم، طبع لاہور، ص۵۵۶

۱۰۔ ابن کثیر: البدایۃ والنھایہ، طبع بیروت، ج۴،ص۱۸

۱۱۔ کاندھلوی، محمد یوسف: حیاۃ الصحابہ، طبع دہلی، ج۱،ص۱۵۶

۱۲۔ شبلی نعمانی: سیرت النبی ﷺ ، ج۲،ص۲۲۳،۲۱۵

۱۳۔ الصالحی ،محمد یوسف: سبل الھدیٰ والرشاد، طبع قاہرہ۱۹۷۲ء، ج۷،ص۳۲

۱۴۔ البخاری: کتاب الجنائز۱/۱۶۹،۱۸۰،۱۸۲، طبع کراچی

۱۵۔ شبلی نعمانی: سیرت النبی ﷺ ، ج۲،ص۲۱۱

۱۶ 〃 ایضاً، ج۲،ص۲۱۵،۲۱۶

۱۷۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان : رحمۃ للعالمین ﷺ ،طبع کراچی، ج ا،ص ۱۲۹

۱۸۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد : عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۸ء؟ ص ۵۷/ عون الشریف قاسم : نشأۃ الدولۃ الاسلامیہ فی عہد الرسول، قاہرۃ ۱۹۸۱ء، ص ۴۱

۱۹۔ ابن قیم الجوزی: زادالمعاد، ج ا،ص ۱۵

۲۰۔ بخاری: الجامع الصحیح ،ج ا،ص ۱۷۵

۲۱۔ عزہ دروزہ، محمد: تاریخ بنی اسرائیل فی اسفارہم، بیروت، منشورات المکتبۃ العصریۃ ۱۹۶۹ء، ص ۴۵۵

۲۲۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: حجازی، القاہرہ ۱۹۳۸ء، جلد ۲، ص ۱۹۳

۲۳۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد: عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۷۶

۲۴۔ ہیکل، محمد حسین: حیاتِ محمدؐ، مطبعۃ النہضۃ المصریہ، ۱۹۴۷ء، ص ۲۲۷

۲۵۔ سیرت النبی/ ج ۲، ص ۲۲۴

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ اسد سلیم شیخ: رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۱۷۱

۲۸۔ ثانی، ڈاکٹر حافظ محمد: رسول اکرم ﷺ اور رواداری، فضل سنز لمیٹڈ کراچی، ۱۹۹۸ء ص ۱۹۲، ۱۹۳

۲۹۔ علوی، ڈاکٹر خالد: انسانِ کامل ﷺ ، الفیصل ناشران کتب لاہور، طبع چہارم ۲۰۰۲ء، ص ۳۰۰، ۳۰۱

۳۰۔ ابن قیم الجوزیۃ : زادالمعاد فی ہدی خیر العباد، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵ء، جلد ۳، ص ۶۳۰ و امام محمد ابوزہرہ: خاتم النبیین، قاہرہ، دار الفکر العربی، جلد ۲، ص ۱۲۹ا

۳۱۔ زینی دحلان، احمد بن: السیرۃ النبویہ، مطبوعہ بیروت، المطبعہ الاہلیہ، ۱۹۸۳ء جلد۳، ص۲۴۰

۳۲۔ ابوزہرہ، امام محمد: خاتم النبیین۔ قاہرہ، دارلفکر العربی، جلد۲، ص۵۸۵

۳۳۔ محمود البابرتی، الامام محمد بن: العنایۃ شرح الھدایہ، القاہرہ، التجاریہ الکبری، جلد۸، ص۲۵۶

۳۴۔ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، الامام: کتاب الخراج، القاہرہ المطبعہ المکتبۃ السّلفیہ۱۳۱۶ھ، ص۱۵۰

۳۵۔ ابویعلی محمد بن الحسین القراالحنبلی: الاحکام السلطانیۃ۔

۳۶۔ ایم سیڈلیٹ: خلاصۂ تاریخ عرب، اردو ترجمہ عبدالغفار، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ء، ص۳۴

۳۷۔ Arnold, Sir Thomas : The Preaching of Islam, London 1961, p277.

۳۸۔ مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ: نصرانیت، قرآن کی روشنی میں، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص۷۶

۳۹۔ آرنلڈ، ٹی ڈبلیو: دعوتِ اسلام، مفید عام پریس، آگرہ، طبع ۱۸۹۸ء ص ۴۴۸، ۴۴۹

۴۰۔ ایضاً، طبع کردہ محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، طبع ۱۹۷۲ء، ص۳۹۸

۴۱۔ ابوسلیمان، عبدالحمید احمد: اسلام اور بین الاقوامی تعلقات، منظر اور پس منظر، فیمس بکس، لاہور، باراوّل ۱۹۹۱ء، ص۲۰۵

۴۲۔ وقار احمد: غزواتِ سرورِ عالم ﷺ، تاج کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، دسمبر ۱۹۹۶ء، ص۲۸۷